© rasailojaraid.com

قرآنی نظریۂ سلطنت

اس کے مقدمات اور اس کی روح

از پروفیسر ہارون خان شروانی ایم اے (آکسن) بار ایٹ لا استاذ جامعہ عثمانیہ

مترجمہ جناب مولوی سعید الحق صاحب عثمانی بی۔ اے (علیگ)

پانچ سال سے زیادہ مدت گذری کہ میں نے اپنے ایک مضمون میں جس کا عنوان "علم السیاست کے میدان میں فکر مشرقی کا مقام" تھا، اس تصور سلطنت کے مطالعہ کی ابتدا کی جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے میں نے اس مضمون میں دوسرے مشرقی مفکرین کے ساتھ نظام الملک طوسی اور ابن خلدون کا بھی مختصر ذکر کیا گیا تھا۔ اس کے بعد میں نے الماوردی اور صاحب قابوس نامہ اور نظام الملک طوسی جیسے مختلف مصنفین کے افکار پر تنقیدی تبصرے کئے، جو رسالۂ "اسلامک کلچر" میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ اسی زمانہ میں مجھ کو اپنے رفقائے شعبۂ تاریخ جامعہ عثمانیہ کی معیت میں اسلامی فلسفۂ سیاست کی تاریخ کا ایک مفصل خاکہ بنانے کا موقع ملا، جو اس کے آغاز عہد سے لیکر موجودہ لامرکزی رجحانات کے زمانہ تک کی پوری تاریخ پر حاوی ہے۔ یہ خاکہ ان لوگوں کی رہنمائی کے لیے بنایا گیا ہے جو تاریخ سیاسیات اسلامی پر اس عظیم الشان تالیف کا کام اپنے ہاتھ میں لیں گے جسے طیار کرنے کا حکم جامعہ عثمانیہ نے دیا ہے۔

موضوع کی اہمیت | جب انسان اس مسئلہ سے تعلق رکھنے والے مختلف النوع مباحث کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ان سیدھی سادھی صداقتوں کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے جن سے سیاسیات کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک زبردست دریا پھوٹ نکلا، قرنوں اور صدیوں کے دوران میں دشت وجبل اور نشیب و فراز سے گذرتا اور ہزار ہا شکلوں میں ڈھلتا رہا، مگر اپنی ظاہری صورت میں زمین کے جغرافی یا عارضی تشکلات کے مطابق بدلتے رہنے کے باوجود اس کی جوہری خصوصیات وہی کی وہی رہیں جو پہلے تھیں۔ اس مسئلہ پر جتنا زیادہ غور کیا جائے، یہ احساس اتنا ہی زیادہ مستحکم ہوتا جاتا ہے کہ ادھر اُدھر سے مختلف مصنفین کے خیالات کو جمع کر لینا لاحاصل ہے، جب تک کہ سب سے پہلے ان کے اصل مبادی کا سراغ نہ لگایا جائے جو قرآن میں بیان ہوئے ہیں۔ اول تو جب موضوع بحث ایک ایسی سوسائٹی ہو جیسی کہ قدیم عربوں کی تھی اور ایک ایسی کتاب ہو جیسا کہ قرآن ہے، تو سیاسی تصورات کو ان دوسرے تصورات سے جدا کرنا بہت مشکل ہے جنہوں نے ایک وقت میں عرب کو دنیا کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک بنا دیا کیونکہ سیاسی اور غیر سیاسی عوامل کی یہ نازک امتیازات تو بہرحال جدید زمانہ ہی کی پیداوار ہیں۔ صدیوں پہلے جو لوگ دنیا میں بستے تھے وہ ان سے آشنا نہ تھے۔ پھر یہ بھی نہ بھولنا چاہئے کہ ضبط اور تنظیم جو امکانی آزادی حاصل کرنے کے واحد ذرائع ہیں اور جن کو عام محاورہ میں "سیاست" کہا جاتا ہے، اگرچہ ایک سوسائٹی کی فلاح وبہبود میں ان کا بہت کچھ دخل ہے، مگر پھر بھی ایک قوم کی زندگی کے دوسرے عوامل سے قطع نظر کر کے صرف یہی دو چیزیں پورے پس منظر پر حاوی ہونے کے لئے کافی نہیں ہیں، اور جو تصویر اس طور سے بنے گی وہ غیر حقیقی و نامکمل ہوگی بہرحال جہاں تک قرآن مجید کے سیاسی پہلو کا تعلق ہے ایسے علم کی حد تک اس کو نمایاں کرنے کی اب تک کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی گئی۔ یہاں ہم قرآن مجید کے اسی سیاسی پہلو کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے مگر چونکہ وقت کم ہے اس لیے ہم معلومات کے اس بڑے ماخذ کو ہاتھ بھی نہ لگا سکیں گے۔ جو حدیث کے ذخیرہ میں موجود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقدمات | بغیر اس کے کہ قرآنی سلطنت اور ان سیاسی نظاموں کے درمیان جو رسالت محمدی صلعم کے زمانہ میں جزیرۃ العرب کے اطراف میں قائم تھے، کوئی ربط تجویز کرنے کی کوشش کی جائے اگر ہم ان کے متعلق بھی کچھ واقفیت بہم پہنچا لیں، اور اس کے ساتھ عربوں کے بھی ان سیاسی حالات پر ایک نظر ڈال لیں جو چھٹی صدی کے اختتام اور اس کے قریبی زمانہ میں تھے، تو یہ توضیح بیان کے لیے مفید ہوگا۔

اس زمانہ میں عرب کی شمالی سرحد پر دو طاقتور سلطنتیں تھیں، یعنی ایران اور Nova Roma یعنی بازنطیم۔ ایران نے مغربی اور وسطی ایشیا کی تہذیب پر گہرا اثر ڈالا تھا۔ اور مشرقی رومن امپائر قدیم یونان و روما کی بلا واسطہ جانشین تھی۔ ان دونوں بڑی سلطنتوں کے نظم اور ان کے ساتھ ساتھ قدیم عرب کے سیاسی حالات کے متعلق کچھ واقفیت بہم پہنچا لینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا، اور یہی واقفیت ہم کو مماثلات اور مبانیات کے سمجھنے میں مدد دے گی، جن کی تمیز کسی دوسرے ذریعہ سے ہونی مشکل ہے۔

ایران | ایران اپنی ایک مربوط تاریخ رکھتا ہے جو یونان اور روم کی معلوم تاریخ سے سینکڑوں برس پہلے شروع ہوتی ہے، اور ابتدا ہی سے اس میں ایسی زبردست وحدت اور مرکزیت کی مثال ملتی ہے جس کا حاصل ہونا ایسے قدیم زمانہ میں مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یہاں ایران کی صرف اسی حالت سے بحث کرنا کافی ہوگا جو چھٹی صدی عیسوی کے آخر زمانہ میں تھی، یعنی خسرو انوشیروان کے دور میں تمام قدیم آریہ قوموں کی طرح ایرانی بھی چار طبقوں میں منقسم تھے جن کے درمیان قطعی اور واضح امتیاز پایا جاتا تھا۔ ان میں سے تین اونچے طبقے سب سے فرد تر جو تھے طبقے سے بالکل الگ تھے۔ اونچی ذات کے تین طبقے یہ تھے:۔

ا۔ مذہبی پیشوا اور قضاۃ۔ یہ صرف قبیلہ مجی سے لئے جاتے تھے، اس لیے ان کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مجی پت یا موبد کہا جاتا تھا۔

۲۔ اہل سیف۔

۳۔ اہل قلم یا عمال حکومت۔

چوتھا طبقہ اہل حرفہ اور مزارعین پر مشتمل تھا۔

شاہنشاہ کی ذات سیاسی وحدت اور نظم کا خارجی مظہر تھی، اور اس کو شاہنشاہ اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ نہ صرف صوبہ داروں کا حاکم اعلیٰ تھا، بلکہ ان بادشاہوں پر بھی اقتدار رکھتا تھا جو سلطنت کے دور دراز علاقوں پر فرمانروا تھے، مثلاً عراق عرب میں حیرہ کا بادشاہ۔ امرا کے سب سے اونچے طبقے میں جن کا شمار ہوتا تھا وہ مرزبان اور پہلوی تھے۔ یہ لوگ ایران اسپہبد (سپہ سالار اعظم) اور اسپہبد (سپہ سالار) کے عہدوں پر سرفراز ہوتے تھے، بڑی بڑی جاگیریں ان کو ملتی تھیں جن کے محاصل تمام تر ان کی جیبوں میں جاتے اور کوئی خاص فرض ان سے متعلق نہ تھا۔[1] یہ تو خاندانی امرا تھے۔ ان کے علاوہ ایک طبقہ سرکاری امرا کا بھی تھا اور وہ بھی ملک کو لوٹنے میں کچھ کم نہ تھا۔ عام باشندے یا تو آزاد شہری تھے یا غلام کاشتکار جنھیں کسی انعام یا معاوضہ کے بغیر مزارع یا لشکروں میں خدمت بجا لانی پڑتی تھی۔ یہ لوگ بالکل منقطع تھے اور دہقانوں یا زمینداروں کے مرتبہ تک بھی پہنچنے کی امید نہ کر سکتے تھے، کیونکہ ان کو ناقابل عبور امتیازات نے دہقانوں سے جدا کر دیا تھا اور دہقان صرف ان کی محنتوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ دہقانوں سے اوپر پدگوش بن یعنی امرائے ہوتے تھے جو سلطنت کے چار بڑے اقطاع کے دیوانی اور فوجی زمام دار تھے۔ مقدمین کے اس پورے گروہ سے بالاتر شاہی مجلس وزرا تھی جو ہزار پت (وزیر اعظم)، موبدان موبد (راج گرو)، ہربد (آتش کدہ

[1] ان کی حیثیت سلطنت مغلیہ کے منصبداروں کی سی تھی جو موجودہ زمانہ میں حیدرآباد میں بھی پائے جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا محافظ) دبیر بد (میرمنشی) اور اصلی سپہبد (سپہ سالار) پر مشتمل تھی۔

شاہنشاہ تمام نظم حکومت کا مرکز تھا۔ وہ بیک وقت قوم کا ظہور مجسم بھی تھا، مدار حکومت بھی تھا اور وہ منبع بھی تھا جس سے تمام عزتوں اور حرمتوں کے چشمے نکلتے تھے شاذ و نادر کسی موقع پر وہ عوام کو اپنے درشن دکھاتا تھا، اور جب کبھی ایسا ہوتا تو بڑے جشن اور شان و شوکت کے ساتھ ہوتا۔ ملبوسات فاخرہ زیب تن ہوتے، نہایت بھاری تاج (ایک طلائی زنجیر کے ساتھ چھت میں لٹکا ہوا ہوتا۔ سونے کے تخت پر شاہنشاہ جلوہ گر ہوتا۔ خانوادہ شاہی کے شاہزادے ایک بڑے مطلا و مذہب سراپردے کو تھام کر کھڑے ہوتے اور پردہ اس وقت تک پڑا رہتا جب تک کہ حاضرین کی خوش قسمتی سے وہ وقت نہ آجاتا جو شہنشاہ کے دیدار سے ان کو سرفراز کرنے کے لیے منتخب کیا گیا ہو۔

قدیم جماعتوں میں ارادی وضع قانون کا فقدان تھا۔ ایران بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ تاہم جو تھوڑی بہت قانون سازی بھی ہوئی، اس کے لیے موبدوں کی جماعت سے منظوری حاصل کرنا ضروری تھا۔ یہ لوگ پرانے مزدی مذہب کے حاملان شریعت تھے اور قدیم مجی قبیلہ سے لیے جاتے تھے تعلیم کی خدمت بھی ان سے ملکہ شاذ انہی سے متعلق تھی، اور یہی ان لوگوں پر جرمانے کرتے تھے جو خلاف ورزی قانون کے مرتکب ہوتے تھے۔ دین سے انحراف اور بغاوت کی سزا موت تھی اور بسا اوقات آنکھیں نکالنے، سولی پر چڑھانے، سنگسار کرنے اور بھوکا مار دینے کے طریقے بھی استعمال کیے جاتے تھے۔ جب مسیحیت کا ظہور ہوا، تو صلیب کے پرستاروں کو خاص طور پر سلطنت کے غضب و انتقام کا ہدف بنا لیا گیا۔ چونکہ یہ لوگ ایران کی ہمسایہ اور دشمن سلطنت، بازنطیم کے ساتھ قریبی علاقہ رکھتے تھے اس لیے ان کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ کیا جاتا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایرانی محاصل | دوسری بڑی سلطنت یعنی بائزنطیم کے نظم و نسق کی طرف توجہ کرنے سے پہلے ان محاصل کے متعلق بھی کچھ کہنا مناسب ہوگا جو قریب کے جزیرہ نما میں اسلام کے رونما ہونے سے پہلے ایران میں وصول کیے جاتے تھے، کیونکہ ان کا عکس دورِ خلافت میں نظر آتا ہے۔ ان میں سب سے مقدم زمین کا محصول تھا جس کا نام "خراج" ہے۔ یہ زمین کی پیمائش اور پیداوار کے لحاظ سے ہر پرگنہ پر بحیثیت مجموعی عائد کیا جاتا، اور پھر عائد کردہ مقدار خراج کو پرگنہ کی آبادی پر مساویا تقسیم کردیا جاتا تھا۔ خراج کی مقدار کل پیداوار کا ⅙ سے ⅓ تک حصہ ہوتی تھی۔ دوسرا اہم محصول کزیت (عربی، جزیہ) تھا۔ یہ ایک مقررہ سالانہ محصول تھا جو باشندوں سے اس طرح وصول کیا جاتا تھا کہ جو جتنا زیادہ مالدار ہو وہ اتنا ہی زیادہ دے، اور اس کا بار زیادہ تر ان لوگوں پر عائد ہوتا تھا۔ جو اراضی کے مالک نہ تھے یا نہ ہوسکتے تھے، مثلاً یہودی عیسائی اور دوسرے باشندے جن کی عمر ۲۰ اور ۵۰ برس کے درمیان ہو۔ ان دو بڑے محاصل کے علاوہ بادشاہ کی خدمت میں نذریں پیش کرنے کا بھی دستور تھا، خصوصاً ہر سال اعتدال ربیع و خریفی کے تہواروں کے موقع پر۔

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش (۵۷۰ء) سے پہلے ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں کے تخت پر دو ایسے فرمانروا متمکن تھے جنہوں نے تاریخ میں نمایاں جگہ پائی ہے یعنی ایران میں خسرو انوشیروان اور بائزنطیم یا قسطنطنیہ میں جسٹنین (۵۲۷ء تا ۵۶۵ء) اب ہم موخر الذکر سلطنت کے نظم و نسق پر ایک نظر ڈالیں گے جس کے مقبوضات تھوڑے ہی عرصہ بعد اسلامی سلطنت کے علمبرداروں کی زد میں آگئے۔

مشرقی سلطنت روما | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پانچ ہی سال قبل جسٹنین ۳۸ سال کی فرمانروائی کے بعد وفات پاچکا تھا۔ آنحضرت صلعم کی بعثت سے قبل ۴۰ سال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی مدت میں قسطنطنیہ کے تخت پر چار فرمانروا متمکن ہوئے جسٹن ثانی (۵۶۵ء سے ۵۷۸ء) ٹبریس ثانی (۵۷۸ء سے ۵۸۲ء) ماریس (۵۸۲ء سے ۶۰۲ء) فوکس (۶۰۲ء سے ۶۱۰ء) ان کے بعد ہرقل تخت نشین ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے پورے زمانہ میں وہی حکمران رہا۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ قسطنطنیہ کی دستوری تاریخ کا وہی حصہ یہاں پیش کیا جائے جو اس واقعات سے لبریز دور میں گذرا ہے۔

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ وہ سب کچھ جو درحقیقت رومن تھا، اسے خود اسی فرقہ نے برباد کیا جو اپنے آپ کو رومن کہلانا پسند کرتا تھا۔ بجائے اس کے کہ سلطنت کا نظم ونسق جمہور یا ان کی سینٹ کے ہاتھ میں رہتا وہ اب تمام تر ایک ممتاز طبقہ پر مشتمل ہوگیا جو بالکل فرمانروا کی مرضی کا تابع اور جمہور سے کلیتہً الگ تھا۔ خود باشندے بھی چند طبقوں میں منقسم ہوگئے تھے۔

۱۔ اہل زمین (Curule caste) جو مالکان اراضی تھے اور وہ کبھی سپاہی یا تاجر نہیں بن سکتے تھے۔

۲۔ اہل حرفہ جو ایران کے ایسے ہی طبقہ کی طرح ان آزاد باشندوں پر مشتمل تھے جو زمین کے مالک نہ تھے۔ اور جزیہ کی طرح کا ایک ٹیکس ان سے لیا جاتا تھا مختلف پیشہ ور گروہ ان میں شامل تھے اور ہر گروہ کی رکنیت باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتی تھی۔

۳۔ اہل سیف۔

مگر یہ تمام طبقات اس جابرانہ تحصیل پالیسی کے شکار ہوگئے تھے جو اس سلطنت کے لیے آخرکار ایک بلائے عظیم ثابت ہوئی۔ ایک مصنف جس نے اس موضوع پر بحث کی ہے۔ لکھتا ہے کہ کاشتکاروں کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ شاہی دربار اور لشکر کو خورش و پوشش بہم پہنچانے کے آلات تھے۔ قیاصرہ صرف جائز محاصل ہی پر قناعت نہ کرتے تھے بلکہ اکثر نذرانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور پیش کش بھی وصول کرتے رہتے تھے، جو ابتدا میں تو اختیاری تھے مگر بعد میں ان کو ایک مستقل ذریعہ آمدنی بنالیا گیا تھا۔

بازنطینی طرزِ حکومت جہاں تک حکومت کے واقعی نظم ونسق کا تعلق ہے، وہ گویا قیصر کا ایک خانگی معاملہ بن گیا تھا۔ اگرچہ ایک مدت تک سینٹ برائے نام باقی رہنے دی گئی تھی، اور اس کی زندگی کا قطعی خاتمہ جسٹنین کے عہد سے پہلے نہ ہوا تھا، لیکن جب وہ قائم تھی اس زمانہ میں بھی اس کا عدم وجود برابر تھا۔ آخر کار جسٹنین نے اپنی صحیح بربری اصلیت سے کام لے کر قدیم سیاسی نظام کا نام ونشان تک مٹا دیا اور حکومت کی تنظیم اس طور پر کی کہ دربار کی زینت کے لیے ہر چیز کو جرمانہ اور تاوان بنایا جاسکتا تھا۔ جائے تعجب ہے کہ جو شخص قدیم رومی قانون کے مدوّن کی حیثیت سے اتنا مشہور رہے اس کا نامۂ اعمال کس قدر سیاہ کاریوں سے لبریز ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ قدیم یورپ کے ادوار میں سے کسی دور میں بھی جمہور پر اس قدر مصائب نازل نہیں ہوئے جتنے اس "مقنن" کے دور میں ہوئے ہیں۔ آزاد شہریوں کو پکڑ پکڑ کر فروخت کیا جاتا تھا۔ لوگ ٹیکسوں سے بچنے کے لیے اپنے تاکستانوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکتے اور عمارتیں مسمار کر دیتے تھے۔ ایسے واقعات آئے دن ہوتے رہتے کہ جس علاقہ کے محاصل وصول نہ ہوسکتے وہاں کے دولتمند باشندوں کی املاک ضبط کرلی جاتیں حتیٰ کہ ان کو بالکل قلاش کر کے چھوڑ دیا جاتا۔ جسٹنین اعظم نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اس کے زمانہ میں سرکاری عہدے علانیہ فروخت کیے جاتے تھے۔ اور احکام جاری کیے گئے تھے کہ قیمت یا تو خود بادشاہ کو ادا کی جائے یا اس کی بیگم، ملکہ تھیوڈورا کو۔

مذہبی تعصب مذہبی معاملات میں کوئی رواداری نہ تھی۔ جب تک مسیحیت قبول نہ کی گئی تھی مسیحیوں پر ظلم کیا جاتا تھا، جب بادشاہ نے بھی مذہب اختیار کرلیا، تو علوم مدرسی اور دین یہود اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر اس چیز کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی، جو بادشاہ کے مذہب سے انحراف کا ادنیٰ شائبہ بھی رکھتی ہو۔ ۵۲۹ء میں جسٹنین نے علوم بلاغت اور فلسفہ کے مدارس کو قطعی طور پر بند کر دیا ان کے جتنے اوقاف تھے سب ضبط کر لیے۔ اور افلاطون کی اکاڈیمی، ارسطو کے بیت الحکمت اور زینو کی درسگاہ کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیے۔ تھیوڈوسیس (۳۷۰ء تا ۳۹۵ء) جس کے نام کے ساتھ "اعظم" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اس سے پہلے ہی ان المپین کھیلوں Olympian games کو موقوف کر چکا تھا جو ہزار سال سے جاری تھے۔ اس کے زمانہ میں ایتھنز کو اس حد تک فکری غلامی میں مبتلا کر دیا گیا تھا کہ بجز ان خیالات کے جن کی تصریح عمالِ شاہی کے عطا کردہ اجازت نامہ میں کر دی جاتی تھی، کسی دوسرے خیال کی تعلیم دینا ممنوع تھا۔ مشرقی سلطنت میں مذہبی جبر و ظلم کا جو حال تھا اس کی مثال میں ہم ایک رومی امیر فوکس (Phocas) کا واقعہ پیش کر سکتے ہیں جس نے بجبر عیسائی بنائے جانے سے بچنے کے لیے زہر کھا لیا۔ اس کے چند ہی سال بعد اسی نام کے دوسرے فوکس نے جو قیصر تھا تمام سلطنت کے یہودیوں کو بجبر عیسائی بنا لینے کا حکم دیا۔ اس کا جانشین اگرچہ اس کا ایسا دشمن نکلا کہ اس نے فوکس کو قتل کرنے سے پہلے اس کے ہاتھ پاؤں کٹوا ڈالے، مگر یہ دشمن کا دشمن بھی یہودیوں کے حق میں دوست ثابت نہ ہوا۔ اس نے ان کو بیت المقدس سے نکال باہر کیا اور حکم دیا کہ یہ لوگ اس مقدس شہر سے تین تین ہزار فیٹ تک کی حد میں قدم نہ رکھنے پائیں۔ سلطنت کی اخلاقی حالت اس قدر خراب ہو چکی تھی کہ قیصر ہرقل کی شادی خود اس کی اپنی بھتیجی سے ہوئی اور نکاح پڑھانے والے کوئی اور بزرگ نہیں، خود قسطنطنیہ کے اسقف اعظم تھے۔

یہ حال تھا ایران اور مشرقی روم کی سیاست کا چھٹی صدی عیسوی کے آخری زمانہ میں اور ہم اس سے بہتر کچھ نہیں کر سکتا کہ مشرق اوسط کے ایک بڑے مورخ Finley

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی عبارت نقل کردوں جو خود یونانی روایات کا بہت بڑا علمبردار تھا۔ وہ حالات کا خلاصہ اس طرح بیان کرتا ہے :۔

"شائد تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں ہے جس میں سوسائٹی کا اخلاقی انحطاط اس قدر عالمگیر ہو، اور جس میں تمام وہ قومیں جن سے رومی اور یونانی واقف تھے قوت عمل اور نیکی سے اس درجہ عاری ہوگئی ہوں، جیسا کہ جسٹینن کی وفات سے محمدؐ کے ظہور تک کا دور گذرا ہے۔

تلافی مافات کا وقت آنا ضرور تھا۔ ایسے واقعات نے جنہیں کوئی انسانی فراست پہلے سے نہ دیکھ سکتی تھی، جن کے خلاف کوئی انسانی حکمت نہ لڑ سکتی تھی، جن کی توجیہ میں ایک فلسفی بجز اس کے اور کچھ نہیں کر سکتا کہ ان کو تقدیر الٰہی اور قسمت ایزدی کی طرف منسوب کردے جس کا نمایاں اثر پوری انسانی تاریخ میں نظر آتا ہے، آخرکار مشرق کے بہت سے علاقوں میں رومی اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔"

عربی ریاستیں اب ہم سرزمین عرب کی طرف آتے ہیں جو دین اسلام کا گہوارا بننے والی تھی ہم دیکھیں گے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی پیدائش اور بعثت کے وقت اس سرزمین کی سیاسی حالت کیا تھی۔

عرب اپنے آپ کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:۔

۱۔ عرب البائدہ، یعنی شمال کی حامی آبادیاں۔

۲۔ عرب العاربہ، یعنی وہ سامی النسل لوگ جو قحطان یا یقطان کی اولاد سے تھے اور جنہوں نے بہت قدیم زمانہ میں عرب العاربہ پر تسلط جما لیا تھا۔

۳۔ عرب المستعربہ، یعنی ابراہیم علیہ السلام کی اولاد جو ابتدائً شمال سے آئی اور عرب العاربہ کے درمیان رہ بس گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرب البائدہ کا وجود ایک مستقل جمعیت کی حیثیت سے بہت پہلے ہی فنا ہو چکا تھا، اور جزیرۃ العرب باقی ماندہ دونوں گروہوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ قحطانیوں کا وطن جنوب میں یمن کا علاقہ تھا، اور ابراہیمی جیسا کہ اوپر بیان ہوا شمال سے آئے تھے۔ قحطانی جنوب سے شمال کی طرف چلے اور حجاز، یمامہ اور یثرب میں پھیل گئے۔ پھر وہ شمال کی طرف اور آگے بڑھ کر شام تک پہنچے جہاں انہوں نے مسیحی دور کے آغاز میں دمشق کے قریب غسان کی ریاست قائم کی۔ زیادہ مدت نہ گذری تھی کہ یہ ریاست مشرقی سلطنت روما کے زیر اثر آگئی، اس کا بادشاہ عیسائی ہو گیا، اور خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک اس کا وجود برقرار رہا۔ قحطانیوں کی ایک اور شاخ شمال مشرق کی طرف گئی جہاں اس نے ۱۹۵ء کے قریب زمانے میں بابل قدیم سے متصل فرات کے کناروں پر حیرہ کی ریاست قائم کی۔ غسان کی طرح یہ ریاست بھی زیادہ مدت تک آزاد نہ رہ سکی اور اس پر ایران کی سیادت قائم ہو گئی۔ تاریخ میں ہم کو حیرہ کے ایک بادشاہ منذر کا یہ حال ملتا ہے کہ شاہنشاہ ایران نے اس کو ہشت (اعظم) کا خطاب عطا کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے چالیس سال قبل نعمان بن منذر نے ایرانی سیادت سے آزاد ہونے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر کار ۶۱۱ء میں خسرو پرویز نے حیرہ کی ریاست کو سلطنت ایران میں ضم کر لیا۔

اس سے ظاہر ہے کہ حیرہ اور غسان کی یہ چھوٹی چھوٹی امارتیں اس قدر حقیر اور مغلوب تھیں کہ ملک عرب کے نظم ونسق کی تاریخ میں ان کا کوئی اثر نمایاں نہیں ہو سکتا تھا۔ مشرقی وسط عرب بھی کچھ بہتر حال میں نہ تھا، کیونکہ وہاں کے یمنی زمام دار بھی ایرانی سیادت کے تابع تھے۔ اگرچہ ایرانی تہذیب کے مرکز سے دور ہونے کی وجہ سے ان کو نسبتاً کچھ زیادہ استقلال میسر تھا۔ جنوب میں قحطانیوں کا وطن اصلی، اپنے ہمسایہ یعنی حبش کے نجاشی (Negus)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے آزادی کی جنگ میں مبتلا تھا اس جھگڑے کی ابتدا اس مذہبی عداوت سے ہوئی جو ۵۲۹ء کے قریب زمانے میں یمن کے یہودی فرمانروا یوسف ذو نواس اور حبشی عیسائیوں کے درمیان پیدا ہو گئی تھی۔ دونوں فریقوں کے درمیان قسمت کے پلڑے اٹھتے اور جھکتے رہے حبشیوں نے رومی امداد سے یمن پر قبضہ کر لیا۔ ایران نے یمنی فرمانروا سیف بن ذی یزن حمیری کی مدد کی اور اس نے حبشیوں کو نکال باہر کیا سیف کے بعد اس کا بیٹا معدی کرب ایرانیوں کی مدد سے تخت نشین ہوا، اور یہ امر دلچسپی سے خالی نہیں کہ مختلف عربی علاقوں سے جو سفرا اس کو مبارکباد دینے کے لیے گئے ان میں جمہوریۂ مکہ کے سفیر عبدالمطلب بھی تھے۔ یہ پیغمبر اسلام کے دادا ہیں۔

قبائلی نظام قبل اس کے کہ ہم عرب کے ان باقی ماندہ علاقوں کی سیاسی حالت بیان کریں جو عنقریب تمام دنیا کے نہیں تو کم از کم جزیرہ نمائے عرب کے مرکز بننے والے تھے، مناسب ہو گا کہ عربی قبائل کی سیاسی زندگی کے چند خصائص پر نظر ڈال لی جائے۔ سامی قبائل میں عموماً اور عربوں میں خصوصاً ایک غیر معلوم زمانے سے انفرادیت کا نہایت شدید جذبہ کارفرما رہا ہے۔ اُن کی نگاہ میں خاندان نہیں بلکہ فرد اور قبیلہ سب سے زیادہ اہم تھا۔ عربی معاشرت کی ساخت خونی رشتوں پر قائم تھی۔ قدیم یونانیوں کی طرح ہر خاندان کا ایک الگ خدا تھا اور ہر عرب قبیلہ کے افراد ایک مشترک معبود کی عبادت کے رشتہ سے باہم مربوط ہوتے تھے ان کے ہاں احساس قومیت کے بجائے تمام تر اہمیت صرف نسب نامہ کی تھی۔ ہر قبیلہ اپنا ایک خاندانی لقب، ایک مشترک مورث اعلیٰ رکھتا تھا جس سے تمام افراد خاندان مرد اور عورت اپنا سلسلہ نسب ملاتے تھے۔ یہ سوسائٹی "آبائی" (Patriarchal کہی جا سکتی ہے، اس لیے کہ اس میں سلسلۂ نسب صرف مرد سے چلتا ہے۔ قبیلہ کا سردار شیخ کہلاتا تھا۔ مگر ہم کو یہ بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے کہ یہ شیخ دراصل کوئی موروثی عہدہ دار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ تھا بلکہ اپنے پیش رو کی وفات کے بعد اس کا انتخاب ہوتا تھا، البتہ مرورِ ایام کے ساتھ اس اعزاز میں بھی موروثیت کا رنگ آجایا کرتا تھا۔ وہ کسی حیثیت سے بھی رومی بزرگ خاندان (Paterfamilias) کے مشابہ نہ تھا۔ اور نہ اس کے اختیارات وہ تھے جو رومی ابوالعائلہ (Patria potestas) کے تھے وہ محض ایک ثالث بالخیر یا حکم تھا جس کا کام صلح کرانا ہوتا تھا۔ وہ منازعین کے درمیان صلح کی بات چیت کرتا اور جس کی زیادتی ہوتی اس پر اپنا اخلاقی اثر استعمال کرتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس کا اثر بہت زیادہ تھا، مگر اقتدارِ اعلیٰ اس کو حاصل نہ تھا۔ ایک معین ضابطۂ قانون نہ ہونے کی وجہ سے افراد کے ظن و تخمین کے لیے بہت گنجائش تھی قبائل کے درمیان جو کچھ بھی سیاسی تعلقات تھے ان کا تمام تر انحصار محض فریقین کے اخلاقی احساس پر تھا۔ اور چونکہ عربوں میں خودداری اور عزتِ نفس کا جذبہ بہت بڑھا ہوا تھا، اس لیے قبائل کے درمیان مناقشات کا ایک غیر مختتم سلسلہ چلتا تھا۔ یونانیوں کی طرح عربوں کے ہاں بھی بڑے بڑے میلے لگتے تھے جن میں اطراف و اکنافِ ملک سے لوگ اکٹھے ہوتے تھے۔ مثلاً دومۃ الجندل کے، حجر، عمان، حضرموت اور صنعاء کے میلے۔ مگر وحدت کا احساس پیدا کرنے کے بجائے ان سے عربوں کے مختلف گروہوں میں مزید سیاسی اختلافات کی بنا پڑتی تھی۔

یہ امر معنی خیز ہے کہ اوپر جن ریاستوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے تو کوئی بھی خود مختار نہ تھی۔ کسی پر رومی اقتدار قائم تھا۔ کوئی ایران کے اثر میں تھی، اور کوئی حبش کے اثر میں۔ مگر عرب کی فطری خود مختاری کی شان ان مختلف عربی قبائل میں نظر آتی ہے جو زیادہ تر مغربی عرب میں رہتے تھے۔ ان حالات کو نظر میں رکھنا ضروری ہے تاکہ ان سے اندازہ کیا جاسکے کہ ایسی سوسائٹی میں انفرادیت کو دبا کر ایک مستحکم ضابطۂ آئین و قانون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم کرنا کس درجہ محنت طلب کام تھا۔

مکہ کا سیاسی نظام اب ہم خاص طور پر مکہ کی حالت بیان کریں گے جو پیغمبر اسلام کا مولد، اور بعد میں دنیائے اسلام کا مرکز بننے والا تھا۔ مکہ تیسری صدی عیسوی تک یمن کے خاندان بنی جرہم کے قبضہ میں تھا۔ ان کے بعد ایک قحطانی خاندان، بنی خزاعہ نے مکہ اور جنوبی حجاز پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ پھر قُصی بن کلاب نے اس کو نکال باہر کیا۔ یہ قُصی، فہر کی ساتویں پشت میں تھا، اور فہر وہ شخص ہے جس کا لقب قریش تھا اور جس سے مشہور خاندان قریش کی بنا پڑی۔ قصی نے مکہ کا انتظام بڑے سائنٹفک انداز میں کیا۔ اس نے حکومت کو پانچ شعبوں میں تقسیم کیا تھا:-

۱۔ دارالندوہ، جس میں ندوہ یعنے سینٹ کا اجلاس ہوتا تھا۔ حکمران خاندان کے افراد اور شہریوں میں سے وہ لوگ اس مجلس شوریٰ میں شریک ہوتے تھے جن کی عمر چالیس سال سے زیادہ ہوتی۔

۲۔ لواء، یعنی حکمران کی فوجی طاقت کا نشان جو لڑائی کے موقع پر سالار فوج کو دیا جاتا تھا۔

۳۔ رفادہ، غربا کی امداد کا ایک محصول جو زیادہ تر منیٰ کے سالانہ اجتماع کے موقع پر غریب حاجیوں کو کھانا کھلانے کے لیے وصول کیا جاتا تھا۔

۴۔ سقایہ، آبرسانی کا انتظام جو اہل عرب کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔

۵۔ حجابہ، یعنی کعبہ کی کلید برداری، جو اس قدیم معبد کی حفاظت اور پوجا پاٹ کے انتظام پر مشتمل تھی۔

سنہ ۴۸۰ء کے قریب زمانہ میں جب قصی کا انتقال ہوا تو اس کی اولاد میں ان اہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہدوں کی تقسیم کے لیے کشمکش شروع ہوئی، اور پھر یہ عہدے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتے رہے، یہاں تک کہ ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں حکومت کے شعبوں کی ازسرِنو تقسیم ہوئی اور ان کو کعب کی اولاد میں بانٹ دیا گیا جو قریش کی چوتھی پشت میں گذرا ہے۔ اس جدید تقسیم کا بیان بھی فائدے سے خالی نہیں ہے، کیونکہ ان عہدہ داروں میں سے بعض کے نام اسلامی تاریخ میں بھی بڑے حرفوں سے لکھے ہوئے ملتے ہیں:۔

۱۔ بنی عدی میں سے عمر بن الخطاب کو سفارت کا عہدہ دیا گیا۔ دوسرے قبائل اور ریاستوں کے ساتھ معاملات میں قریش کی نیابت کرنا ان کا کام تھا۔

۲۔ بنی حصیص میں سے حارث بن قیس کو خزینہ یعنی فینانس اور پبلک ٹرژری کی نظارت دی گئی۔

بقیہ آٹھ عہدے کعب کے دوسرے بیٹے مرہ کی اولاد میں اس طرح تقسیم کیے گئے:۔

۳۔ قُبّہ جو فوجی کیمپ کے نظم اور جنگ کے موقع پر لوگوں کو جمع کرنے سے متعلق تھا۔ یہ عہدہ خالد بن ولید کو دیا گیا۔

۴۔ دیت، یعنی خونبہا، جرمانے اور مالی تاوان کا انتظام۔ یہ عبداللہ بن عثمان سے متعلق تھا جو بعد میں ابوبکر کے نام سے مشہور ہوئے۔

بقیہ تمام عہدے قُصَی کی اولاد کو دیے گئے جو مرہ کا پوتا تھا اور جس نے مکہ کو بنو خزاعہ سے آزادی دلوائی تھی۔ ان کی تفصیل یہ ہے:۔

۵۔ اس کے پوتے اسد بن عبدالعزیٰ کو ندوہ کا صدر بنایا گیا۔

۶۔ عثمان بن طلحہ کو حجابت دی گئی۔ اس طرح وہ کلید بردار کعبہ ہو گئے۔

۷۔ عباس بن عبدالمطلب سقایہ پر مقرر کیے گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۸۔ حارث بن عامر کے سپرد رفادہ کی خدمت کی گئی۔ یہ بنی نوفل میں سے تھے۔

۹۔ لوار کی خدمت جو دراصل قریش کی سپہ سالاری تھی، ابوسفیان کو دی گئی جو بنوامیہ میں سے تھا۔

۱۰۔ ازلام یا ایسار یعنی بتوں سے استخارہ کرنے کی خدمت صفوان کے سپرد کی گئی جو بنو جمح میں سے تھا۔

یہ ایک مقرر قاعدہ تھا کہ ان دسوں سرداروں میں جو سب سے زیادہ معمر ہو اس کو رئیس کہا جائے۔ مگر عبدالمطلب کی وفات کے بعد درحقیقت کوئی شخص ایسا نہ تھا جو باقی سب لوگوں پر فوقیت رکھتا ہو۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو عنقریب انسانی افکار میں انقلاب عظیم برپا کرنے والے تھے عبداللہ بن عبدالمطلب کے ہاں ان کی زوجۂ محترمہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف کے بطن سے، اُس مشہور حملہ کے چند ہفتوں بعد پیدا ہوئے جو یمن کے عیسائی فرمانروا ابرہتہ الاشرم نے مکہ پر کیا تھا۔ آپ کے والد، والدہ اور دادا کی وفات نے بچپن ہی میں آپ کو ان ہستیوں سے محروم کر دیا جو آپ کی دنیوی محافظ و مربی ہو سکتی تھیں۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد مکہ کے سیاسی معاملات بہت خراب ہو گئے۔ بنی کعب کے مختلف خاندانوں کی باہمی رقابت کے سبب سے سرداران قریش میں مسلسل جھگڑے برپا ہونے لگے۔ مکہ کے بازاروں میں آئے دن سخت فتنہ و فساد کے مظاہرے ہوتے رہتے تھے، اور مرور ایام کے ساتھ یہ سلسلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ سرداران قریش کے درمیان کسی طرح مفاہمت ہی ہونے میں نہ آتی تھی، یہاں تک کہ آخرکار عبدالمطلب ہی کے پوتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سن رشد کو پہنچنے کے بعد ان کے درمیان ایک ایسی مصالحت کرا دی جس سے لوگوں کی املاک اور جانیں محفوظ ہو گئیں۔ یہ مفاہمت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے، جو ۵۹۵ء میں ہوئی اور اس کے ذریعہ سے اہل مکہ کو ان لوگوں کے دست تطاول سے بچانے کے لیے ایک جتھا قائم کر لیا گیا۔ اس کے چند سال بعد ہم دوبارہ سنتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بازنطینیوں کی ایک سازش کا خاتمہ کیا جس کا مقصد مکہ پر قبضہ کرنا تھا، اور جس کے لیے ایک عرب عثمان بن حویرث کو رشوت دی گئی تھی۔ آخری قابل ذکر واقعہ تعمیر کعبہ کا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم کی دور اندیشی اور فراست اور حسن تدبیر کا کیا حال تھا اور آپ نے کس طرح مکہ کی سوسائٹی کا شیرازہ بندھا رکھنے کی کامیاب کوشش کی۔ اس موقع پر ایک فتنۂ عظیم جو بھڑکنے کے لیے بالکل تیار تھا آپ ہی کی تدبیر سے فرو ہوا۔ یہ واقعات نزول قرآن سے پہلے کے ہیں، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت سے پہلے آپ کی فراست، تدبر، قوت فیصلہ اور پر اثر شخصیت کس طرح نمایاں ہو چکی تھی۔ (باقی)

بچوں کیلئے مفید کتابیں

ہمارے نبی کے صحابہ اس کتاب میں صحابہ کرام کی زندگی کے سبق آموز واقعات نہایت سلیس زبان اور دلنشین انداز بیان کے ساتھ درج کئے گئے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ بزرگوں کے اخلاق، دینداری، حسن معاشرت اور نیک معاملات کا حال معلوم ہوتا ہے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہوتا ہے قیمت: ۶/ حالی ۶/ کلدار علاوہ محصول ڈاک

مسلمان بی بیاں یہ کتاب "ہمارے نبی کے صحابہ" کی طرح صحابیہ خواتین کے حالات پر مشتمل ہے جس میں ان مقدس ہستیوں کی دینداری، حسن اخلاق اور خانگی زندگی میں ان کے نیک برتاؤ کے واقعات بیان کئے گئے ہیں مسلمان بچیوں کے لئے یہ کتاب شمع ہدایت ہے اور بہت سادہ زبان میں لکھی گئی ہے قیمت: ۸/ حالی ۸/ کلدار علاوہ محصول ڈاک

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجئے۔

© rasailojaraid.com